مولانا عیسیٰ منصوری
چیئر مین ورلڈ سلامک فورم لندن

قدم اٹھایہ مقام انتہائے راہ نہیں

گزشتہ دوسو سال سے مسلمانوں کی اصلاح احوال یا انہیں ذلت وپستی سے نکالنے کے لئے جتنی تحریکیں اٹھیں یا کوششیں کی گئیں اگر غور کیا جائے تو ان سب کا محور اور لب لباب عقائد عبادات اور شخصی اخلاق کی اصلاح نظر آئے گی' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں کا اصل تعلق فرد کی اخروی نجات وفلاح سے ہے' نہ کہ کسی قوم وملت کی دنیوی سربلندی وغلبہ سے۔قرآن عزیز نے اس کائنات اقوام وملل کے دنیوی غلبہ وسربلندی کا ضابطہ اپنے ان معجزانہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔قل کل یعمل علی شاکلتہ فربکم اعلم بمن ھو اھدی سبیلا یعنی انسان ہمیشہ اپنے شاکلہ (فکری مزاج) کے تحت عمل کرتا ہے' تمہارا رب خوب واقف ہے کون زیادہ درست راہ پر ہے' انسان (اور اقوام) کی ہدایت وضلالت کا تعلق اس کے شاکلہ (فکری مزاج) سے ہے' اس کا شاکلہ اگر شاکلہء ضلالت ہو تو اس سے غلط عمل صادر ہوگا' اور اگر اس کا شاکلہ شاکلہء ہدایت ہو تو اس سے صحیح عمل کا صدور ہوگا۔اگر شاکلہ انسانی آسمانی وحی کی بنیاد پر تعمیر کیا گیا تب وہ شاکلہ ہدایت' اور خواہشات کی بنیاد پر ہو تو وہ شاکلہء ضلالت ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاؑ کا اصل مشن شاکلہ انسانی کی تعمیر واصلاح ہی رہا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے ظہور سے پہلے دنیا کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ کائنات کے اوپر شاکلہ ضلالت کا غلبہ تھا' یہ شاکلہ (فکری مزاج) مخلوق کو معبود بنانے کے مشرکانہ عقائد کے تحت بنا تھا' اس شاکلہ ضلالت کو قرآن میں فتنہ کہا گیا ہے' رسول خدا ﷺ اور آپ کا اصحاب کرامؓ نے غیر معمولی جدوجہد سے اس شاکلہ ضلالت کو توڑ دیا۔اس کے بعد دنیا میں شاکلہ ہدایت کا دور شروع ہوا' جو توحید (خدائے واحد کی عظمت وپرستش) کے تصور پر مبنی تھا۔یہ شاکلہ ہدایت تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا پر غالب رہا' پھر اٹھارویں صدی عیسوی سے دنیا میں ایک نیا دور شروع ہوا' تاریخ انسانی نے ایک نیا موڑ لیا اور دنیا پر دوبارہ شاکلہ ضلالت حاوی ہوگیا' جو مادہ پرستی ملحدانہ افکار اور خواہشات کے اتباع پر قائم ہوا تھا' اسلامی دور میں خدا انسانی تفکیر کا مرکز تھا' اور یہی تصور وفکر انسانی اعمال کی تشکیل کرتا تھا' موجودہ زمانہ میں نیچر، مادہ اور خواہشات نے خدا کی جگہ لے لی۔اب نیچر پر مبنی افکار اور خواہشات انسانی اعمال کی تشکیل کرنے لگے' دنیا کی اس نئی تبدیلی کا مرکز یورپ تھا' یورپ سے آئی ہوئی اس تبدیلی نے انسانی زندگی کے تمام نقشوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

مغرب میں اس شاکلہ انسانی (مزاج وفکر) کی تبدیلی کا عمل گزشتہ تین سو سال سے جاری ہے' اس تبدیلی میں مغرب کے

سینکڑوں فلاسفی، مفکر اور سائنس دانوں کی مشترکہ جدوجہد شامل ہے۔ یورپ میں اس تبدیلی کی ابتداء سر آئزک نیوٹن (۱۶۴۲ء ۔ ۱۷۲۷) نے اجرام فلکی (چاند سورج ستاروں) کی گردش کے فطری قوانین (Law of Nature) نظریہ تجاذب (law of Gravitation) کی دریافت سے کی، اس کے بعد چارلس ڈارون (۱۸۱۲۔۱۸۸۲ء) نے انسانی تاریخ کا یک مادی فلسفہ پیش کیا، جو امیر غریب کی طبقاتی جنگ (Class Struggle) کی صورت میں اپنا سفر مکمل کرتا ہے، یہ تینوں جدید مغرب کے فکری معمار سمجھے جاتے ہیں، دوسری طرف مغرب نے سائنس وٹیکنالوجی میں انتھک محنت کر کے پہلی بار دنیا میں طاقت وقوت کے معیار کو تبدیل کر دیا، اور دنیا کو قدیم روایتی دور سے جدید سائنسی دور میں داخل کر دیا، اسی کے ساتھ انسانی ذہنوں تک رسائی کو متاثر کرنے کے تمام حربوں علوم وفنون ریسرچ وتحقیق اور جدید میڈیا پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی۔ اس سے مغرب کو بے انتہا فائدہ پہونچا اور طاقت کا توازن مکمل طور پر اس کے حق میں ہوا پوری انسانیت اس کے دست نگر محتاج بن گئی۔ اس تبدیلی سے پہلے دنیا کی اقوام وملل کے درمیان تنازع للبقاء اور تنازع للغلبہ کا مدار محض کمیاتی فرق (Quantitative Difference) پر تھا اور مغرب نے کیفیاتی فرق (Qualitative Difference) پیدا کر دیا۔ مثلاً بدر کے میدان میں تین سو تیرہ اہل ایمان کا مقابلہ ایک ہزار اہل شرک سے تھا مگر یہ فرق صرف کمیت تعداد (Quantitative) کا تھا، کیفیت (Qualitative) یعنی اسلحہ کے معیار میں کوئی خاص فرق نہ تھا اب مغرب نے دستی اسلحہ کے مقابلہ پر الیکٹرونک دور مار اسلحہ کے ذریعہ کیفیاتی فرق پیدا کر کے کائنات کے سسٹم کو اپنے حق میں کر لیا۔ موجودہ دور میں ایک فرد اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بٹن دبا کر کروڑوں انسانوں کو شکست دے کر فنا کر سکتا ہے۔ جس کی وجہ سے اب انسانی شجاعت جذبات اور اوصاف ثانوی درجہ اختیار کر گئے۔ اس بنیادی تبدیلی نے مغرب کو اقوام عالم پر واضح فوقیت اور فیصلہ کن برتری عطا کر دی، یہاں پر یہ حقیقت فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ مغرب کی موجودہ سائنسی ترقی کی بنیاد درحقیقت قرآن نے رکھی تھی، اس کائنات میں قرآن ہی پہلی کتاب ہے جس نے تسخیر کائنات کی دعوت دی، انسان نے کائنات کی جن اشیاء کو معبود ومسجود بنا رکھا تھا قرآن نے ان تمام کو مخلوق، اور انسان کو اشرف المخلوقات، اور اس کائنات میں خدا کا جانشین اور متصرف قرار دے کر اسے تمام کائنات کی تسخیر کا پیغام دیا، اس طرح قرآن نے توحید کی بنیاد پر عظیم فکری انقلاب برپا کر کے دنیا میں سائنسی ترقی کا دروازہ کھولا۔ نزول قرآن کے بعد گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال میں علوم فطرت یا سائنس کی ترقی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا مرحلہ ذہنی رکاوٹ (Mental Block) کو توڑنا، یہ کام مکہ سے بغداد (۶۱۰ء۔۱۲۵۸ء) کے تاریخی مرحلہ میں ہوا، دوسرا مرحلہ نئے توحیدی فکر کی بنیاد پر فطرت کے عملی تحقیق وتجربہ کا دروازہ کھولنا، یہ کام اسپین کے (۷۱۲ء۔۱۴۹۲ء) میں انجام پایا۔ بالآخر مغرب اس حقیقت کو تسلیم کر رہا ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ، یا مغرب کی سائنسی ترقی کی بنیاد، مسلم سپین میں رکھی گئی تھی،

تیسرا مرحلہ اس کام کو آخری تکمیل تک پہنچانا' یہ کام سولھویں صدی عیسوی سے یورپ میں شروع ہوا' مگر اہل یورپ کا رشتہ آسمانی تعلیمات سے منقطع ہو جانے کی بناء پر سائنسی ترقیات کا رخ انسانیت کی بہبودی وتعمیر کے بجائے تخریب و ہلاکت آفرینی کی طرف مڑ گیا ہے' اب اہل سائنس کی ساری توجہ خدا کی تخلیق کی ہوئی اس کائنات کے پر بہار گلشن کو جلد سے جلد اور بھیانک سے بھیانک طریقہ پر تباہ و برباد کرنے کی طرف ہے' دنیائے انسانیت کا یہ عظیم نقصان مسلمانوں کے تکوینی علوم میں بچھڑ جانے کی وجہ سے ہوا۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایک جگہ فرماتے ہیں:

انسان ہزار ہا سال سے دنیائے اسباب کی تسخیر کے لئے تگ و دو کرتا چلا آ رہا ہے۔ ہر قوم نے اپنے وقت میں تسخیر کے اس عمل کو آگے بڑھایا' اس زمانہ میں اسباب کی دنیا میں یورپ سب کا امام بن گیا' اس لئے ہمیں یورپ کی سائنس اس کی تنظیم وصنعت کو اپنانا ہوگا۔ اگر خدانخواستہ ہم نے یہ نہ کیا تو ہمارا وجود اس دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا اور ہم ریت کے ذروں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آئیں گے۔ (موج کوثر صفحہ ۳۶۲)

اسی طرح علامہ اقبال نے اپنے ایک لیکچر میں اسلامی تہذیب وتمدن کی اہمیت جتاتے ہوئے کہا: اسلامی تاریخ کے ہر مبصر کو لامحالہ اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا' کہ ہمارے عقلی وادراکی گہوارے کو جھٹلانے کی خدمت مغرب ہی نے انجام دی ہے' (موج کوثر ص ۳۳۷) یعنی سائنسی ترقیات کو سپین میں جہاں ہم نے چھوڑا تھا اس پر پیش رفت یورپ نے جاری رکھی۔

یہاں یہ بات بہت ضروری ہو جاتی ہے کہ ہم مغرب کے غلبہ کی نوعیت وحقیقت کو سمجھیں کہ مغرب کا موجودہ غلبہ سیاسی یا عسکری نہیں ہے۔ جس طرح تیرہویں صدی عیسوی میں مسلم دنیا پر تاتاریون کا غلبہ ہو گیا تھا۔ تاتاریوں کا غلبہ محض شمشیری غلبہ تھا' اس کا مطلب یہ تھا کہ' شمشیر ہی کے میدان میں انہیں شکست دے کر آسانی سے غلبہ ختم کیا جاسکتا تھا' جو بعد میں ہوا بھی' مگر اس سے پہلے ہی تاتاری مسلمانوں کے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن سے مفتوح و مغلوب ہو چکے تھے' اس وقت عالم انسانیت پر مغرب کا غلبہ اس طرح کا محض عسکری غلبہ نہیں ہے' بلکہ یہ ہمہ جہتی ہے' مغرب کا یہ غلبہ بیک وقت علوم وفنون' ریسرچ وتحقیق' سائنس وٹیکنالوجی' تہذیب وتمدن' نظریہ وفکر غرض تمام میدانوں میں ہے' مغرب کے غلبہ وترقی کا اصل راز یہ ہے کہ اس نے شاکلہ انسانی کو تبدیل کر دیا ہے' اس کے لائے ہوئے علمی و فکری وتہذیبی انقلاب نے ساری دنیا کو مجبور کر دیا کہ وہ اسی طرح سوچیں جیسے اہل مغرب سوچتے ہیں' وہ چیزوں کے بارے میں اسی طرح رائے قائم کریں' جس طرح اہل مغرب رائے قائم کرتے ہیں' اس شاکلہ (مزاج فکر) کی تبدیلی نے میدان مقابلہ کو جنگ کے بجائے فکر کے میدان میں پہنچا دیا۔ اب مغرب کے مقابلہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے فکر کے میدان میں شکست دی جائے۔ اہل مغرب پر فتح پانے کے لئے وسیع ترمعنی میں شاکلہ انسانی کو دوبارہ بدلنے کی ضرورت ہے' مگر وقت کے اس اہم کام کے بجائے ہمارے علمائے کرام کا ایک طبقہ گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے عقائد کے

متعلق ان لایعنی بحثوں میں مشغول ہے، جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائی علماء اور یونانی فلاسفی مشغول تھے۔ درحقیقت ہمارے موجودہ دینی علم کلام کی بنیاد یونانی فلسفہ وعلم کلام پر ہے، علماء کے ایک طبقہ نے انہی لایعنی ابحاث کو گزشتہ صدی میں دینی اصطلاحات کا لباس پہنا کر زندہ کیا یہ علم غیب، حاضر وناظر، امتناع نظیر، امکان کذب کی ابحاث وہی یونانی فلسفہ کی لایعنی ابحاث ہیں۔ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ دارالعلوم دیوبند میں علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آپ کے پاس یونانیوں کے طبعیات عنصریات وفلکیات پر جو چند اوراق ہیں، اس کے مقابلہ میں یورپ کے پاس سائنس وتجربات اور مشاہدات کی ایک دنیا ہے، یہ بھی واقعہ ہے کہ آج یورپ کو یونان کی فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلیات کی دقیقہ سنجیوں سے مرعوب نہیں کر سکے۔ ان کی زندگی ختم ہوگئی ہے وہ اپنی طاقت کھو چکے ہیں لیکن آپ کے پاس انبیاء کے لائے ہوئے جو علوم ہیں یورپ وایشیا ان سے بھی محروم ہیں ان کے پاس آپ کے عقلی وفکری نتائج اور آپ کے (یونانی) ذخیرہ کا کچھ نہ کچھ جواب ہے لیکن انبیاءؑ کے معجزات جواب نہیں۔ (پاجا سراغ زندگی، ص ۱۰۵)

دنیا میں اسلام کی سربلندی کے لئے بنیادی کام مغرب کے شاکلہ (فکری مزاج) کو سمجھنے اور پھر مناسب اسلوب میں دین فطرت کو پیش کرنے کا ہے، ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ۱۸۹۴ء میں ملک کے بڑے بڑے علماء کی کمیٹی اصلاح نصاب کے لئے مقرر کی، اس میں شاہ محمد حسین صاحبؒ نے اپنی تجاویز میں کہا کہ مغرب کو سمجھنے کے لئے فلسفہ جدید پر ایک اچھی اور تحقیقی کتاب مرتب کر کے داخل نصاب کی جائے، تاکہ نئی نسل کے علماء مغرب کے فکر وفلسفہ کو پوری طرح سمجھ سکیں۔

اس تجویز کو سو سال سے اوپر ہونے کو آئے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک برصغیر کے کسی دینی ادارے کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہیں کہ علماء مغرب کے فکر وفلسفہ اور شاکلہ کو علیٰ وجہ البصیرۃ سمجھ سکیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ علماء کرام نے اب تک مغرب کے مزاج وفلسفہ کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ اگر مغرب کو جانتے بھی ہیں، تو اتنا سرسری طور پر جس طرح مستشرقین کے ذہنوں میں اسلام کی بالکل غلط تصویر بن گئی تھی۔ اسی طرح علماء کے ذہنوں میں ناقص معلومات کی بناء پر مغرب کی ایک غیر واقعی تصویر بن گئی ہے۔ بقول مفکر اسلام مولانا ابوالحسن ندویؒ کے کسی چیز کے متعلق ناقص اور سرسری علم بسا اوقات عدم علم سے زیادہ مضر اور خطرناک ہوتا ہے۔ مثلاً ایک عصری عالم کے الفاظ میں، مغربی انسان کا کلمہ ہے (لاموجود الا العقل) یہ صحیح کہ آج کا مغربی انسان کسی نظریہ وعقیدہ کو پیشگی مسلمہ حقیقت کے طور پر نہیں مانتا، بلکہ پہلے واقعات، تاریخ اور حقائق کی روشنی میں پرکھتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مغربی انسان کا یہ طرز عمل اسلام کے حق میں انتہائی فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے، کیونکہ اسلام کی بنیاد محکم حقائق پر ہے، جبکہ دوسرے مذاہب مفروضات وتوہمات پر قائم ہیں مثلاً موجودہ دور میں تمام مذاہب کی مقدس کتابوں کی علمی تحقیق کی گئی تو جدید معیار عقل و

تاریخ کے اعتبار سے موجودہ بائیبل تاریخی حیثیت سے ایک غیر معتبر کتاب اور خلاف عقل وسائنس باتوں کا مجموعہ ثابت ہوئی۔ جبکہ جدید عقلی وعملی تحقیق کی رو سے قرآن کو مکمل تاریخی اعتباریت اور مسلمہ جدید سائنسی حقائق کے مطابق پایا گیا' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے فرمایا تھا(ان الشریعة المصطفویة اشرقت فی هذا الازمان علی ان تبرز فی قمص سابغة من البرهان) یعنی شریعت مصطفوی کے لئے اس زمانہ میں وہ وقت آ گیا ہے کہ وہ دلیل و برہان کے مکمل پیراھن کے ساتھ جلوہ افروز ہو اور آپ نے اسرار شریعت یا احکام کی حکمتوں پر حجۃ اللہ البالغہ لکھ کر اس ضروری کام کی ابتداء کر دی تھی مگر وقت کی ضرورت کا یہ انتہائی اہم کام آگے نہ بڑھ سکا' مولانا رضوان القاسمی صاحب لکھتے ہیں:

علماء کے جدید علوم سے احتراز برتنے کی وجہ سے (۲) ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ ایک یہ کہ امت جدید و قدیم دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ اور پھر اس جدید و قدیم نے دو جماعتوں (دینی ولادینی) کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس تقسیم کا عام ذہنوں پر یہ اثر پڑا کہ اسلام جدید تحقیقات اور علم وعقل کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ دوسرے یہ کہ جس طرح متقدمین نے عصری تحقیقات اور اس زمانہ کے فلسفہ کی روشنی میں اسلام کے مابعد الطبعی اعتقادات کو ثابت کیا تھا ہمارے دور کے علماء عصر حاضر کے سائنسی انکشافات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا جدید علم کلام مرتب نہ کر سکے۔

الغرض اس دور کا اصل چیلنج اقوام عالم کے اذہان پر شاکلہ ضلالت حاوی ہو جانا اور آسمانی تعلیمات کی حامل ملت کا کائناتی علوم یا علوم فطرت میں پسماندہ رہ جانا علماء کرام کے لئے اصل چیلنج یہی دو ہیں۔ اب آیئے قرآن سے معلوم کریں کہ علماء کرام کا رول اور منصب کیا ہونا چاہیے اور وہ اس چیلنج سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآں عزیز کی واضح آیت سورہ توبہ میں ۱۲۲ نمبر کی آیات بتاتی ہے:

وما كان المؤمنون لينفروا كافه فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔

اور یہ ممکن نہ تھا کہ اہل ایمان سب (جہاد میں) نکل کھڑے ہوں تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے گروہوں میں سے ایک حصہ نکل کر آتا تاکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کرتا اور واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو ڈراتا تاکہ وہ بھی پرہیز کرنے والے بنتے۔

تفقہ کا لفظ بعد میں علم کی ایک خاص فرع کے لئے بولا جانے لگا' یعنی شریعت کے جزوی مسائل کو جاننا' یہ معنی نزول قرآن کے بہت بعد رائج ہوئے۔ یہاں تفقہ کا لفظ اصل لغوی معنی میں ہے یعنی پورے دین یا دین کے تمام شعبوں کا صحیح ادراک وبصیرت جو معرفت تک پہنچا دے اور آدمی کو شناسائے حقیقت بنا دے' فقیہ وہ ہے جو عالم کے ساتھ عارف بھی ہو' تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا شان نزول یا پس منظر یہ ہے کہ غزوہ تبوک ۹ھ میں مدینہ

منورہ کے چند مسلمان شرکت نہیں کر سکے تھے ان مختلفین یا پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں قرآن میں سخت آیتیں اتریں اور معاشرتی طور پر ان کے ساتھ سخت معاملہ ہوا اس کے بعد لوگوں کا یہ حال ہوا کہ بعض سرایا پیش آئے تو اس میں مدینہ کے تمام اہل ایمان چلے گئے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ سے علم دین سیکھنے کے لئے کوئی آدمی شہر میں باقی نہ رہا اس وقت لوگوں کو عمومی خروج سے روکنے کے لئے یہ آیت اتری۔ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہاں اس آیت میں علماء کرام کی ذمہ داری اور فرائض کے طور پر قرآن نے دو لفظ استعمال کئے بظاہر لیتفقھوا فی الدین کہہ دینا کافی تھا کہ علماء کا کام یہ ہے کہ دین کی سمجھ و بصیرت حاصل کریں لیکن آگے قرآن نے فرمایا ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کی طرف واپس جائیں یعنی ان کو خطرات کا احساس بھی ہو۔ مجھے معاف کیا جائے ہماری دینی درسگاہوں میں تعلیم گاہوں میں بڑے بڑے مدارس میں تفقہ کی حد تک تو کوشش کی جاتی ہے اور ہم الحمدللہ اس کے اثرات و ثمرات بھی دیکھتے ہیں لیکن ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم خطرات سے آگاہی سازشوں سے واقفیت ادیان عالم کے خلاف شریعت خداوندی کے خلاف منشاء خداوندی کے خلاف آسمانی وحی کی تعلیمات کے خلاف بلکہ انسانیت کے شرف اور دینی افادیت کے ثابت کرنے کے خلاف اس وقت جو سازشیں امریکہ و یورپ میں کی جارہی ہیں بہت سی منظر عام پر آچکی ہیں اور بہت سوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ان سے جیسی واقفیت ہونی چاہیے تھی ان کا جتنا صحیح ادراک و توازن ان کا صحیح رتبہ ان کے خطرے کا صحیح احساس ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہے اس میں بہت کمی ہے اس وقت دنیائے اسلام پر جو بادل منڈلا رہے ہیں جو طوفان کھڑے کئے گئے ہیں ان کے جو اہداف و نشانے ہیں ان کو بھی سمجھیں یہ کام ابھی تک ہمارے مدارس میں پورے طور پر نہیں ہو رہا ہے۔ علماء کو نئے فتنوں اور حملوں اور نشانوں سے واقف ہونا چاہیے تھا مگر سطحی واقفیت عدم واقفیت سے زیادہ مضر ہوتی ہے۔ آج کل ہمارے بعض مدارس میں فیشن کے طور پر بعض تحریکوں ازموں نظاموں اور عصر حاضر کے فکری دھاروں کے نام لئے جاتے ہیں مگر ان کے متعلق حقیقی معلومات بہت کم ہیں ناقدانہ نظر اور محققانہ مطالعہ تو بڑی چیز ہے اسکی اجمالی حقیقت سے بھی واقفیت نہیں۔ بھارت کے مشہور دانشور جناب وحیدالدین خان لکھتے ہیں:

اس آیت میں امت کو مستقل نوعیت کا ایک رہنما اصول دیا گیا۔ وہ یہ کہ جہاد بالسیف اور علم کے میدان کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا جس طرح امت کے ایک طبقہ کی ذمہ داری یہ کہ اسلام کے غلبہ کے لئے جہاد بالسیف اور سیاسی جدوجہد میں مشغول ہو اس کے دوسرے طبقہ کو ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ یکسو ہو کر علم کے شعبہ کو سنبھالے اور اپنے آپ کو پوری طرح اس میں وقف کر دے۔ کیونکہ وقف کئے بغیر کما حقہ اس کے تقاضے پورے نہیں کئے جاسکتے۔

مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ علم کے شعبہ میں کوشش و مشغولیت کی وجہ سے جہاد سے پہلو تہی کوئی غفلت

کی بات نہیں، یہ علم کی طاقت سے جہاد کرنا ہے۔ جو معروف ہتھیاروں کے ذریعہ جہاد سے زیادہ اہم ہے، قرآن کے اس حکیمانہ اصول کا مطلب مذہب وسیاست کی تفریق نہیں، بلکہ خود اہل مذہب کے دو طبقوں کے دائرہ عمل کی تقسیم ہے، اہل علم کا یہ کام ہے کہ وہ شعور انسانی کی نگرانی رکھیں، اور ہر دور میں شعور انسانی کی صحیح تشکیل کے لئے معلم کا کردار ادا کریں تاکہ عقلیت بشری اور شاکلہ انسانی فطرت کی راہ سے بھٹکنے نہ پائے۔ کچھ انسانوں کی فطری صلاحیت سیاست و جہاد بالسیف کے لئے موزوں ہوتی ہے اور کچھ انسانوں کی تعلیم ودعوت کیلئے۔ انسانی صلاحیتوں کا یہی فرق ہے جس کی بناء پر رسول خدا ﷺ نے ایک طرف باصرار امت کو اشارہ دیا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر مقرر کرلے، دوسری طرف آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حسان بن ثابتؓ کو مشورہ دیا کہ تم کبھی کوئی حکومتی عہدہ قبول نہ کرنا، اسلام کی منشاء یہ ہے کہ سیاست و جہاد کے میدان کو سیاسی صلاحیت والوں کے حوالے کر کے بقیہ لوگوں کو اپنی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے دین کی سربلندی کے مختلف شعبوں میں مشغول کردیا جائے۔

خلافت راشدہ کے مبارک دور کے بعد خلافت امیہ وعباسیہ کا تقریباً چھ سو سال کا دور ہے، اس پوری مدت میں داخلی سیاسی لڑائیاں جاری رہیں، مگر یہی وہ مدت ہے جبکہ ان تمام علوم کی تدوین عمل میں آئی جن کو اسلامی علوم کہا جاتا ہے۔ اس شدید سیاسی انتشار کے باوجود یہ تعمیری کام کیونکر ہوا، اس کی واحد وجہ یہی تھی کہ علماء کا طبقہ ہمیشہ عملی سیاست سے دور رہ کر علمی کاموں میں یکسوئی کے ساتھ مصروف رہا، اسی طرح سپین میں مسلم سلطنت کی مدت تقریباً ۸۰۰ سو سال ہے، وہاں بھی اس پوری مدت میں سیاسی ٹکراؤ اور سیاسی بغاوت کے سلسلے جاری رہے، اس کے باوجود عین اسی دور میں مسلم علماء اور اہل دانشور نے جو علمی وسائنسی خدمات انجام دیں وہ حیرت ناک حد تک عظیم ہیں۔ اب مغرب کے سب ہی دانشور ومحقق تسلیم کررہے ہیں کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ سپین کی علمی درس گاہوں کی بدولت ممکن ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے ہر دور میں اپنے آپ کو اقتدار اور عملی سیاست سے دور رکھا اور ہمہ تن علوم وفنون کی خدمت میں مصروف رہے، اور سرور دوعالم ﷺ کی علماء کیلئے سختی سے ہدایت بھی یہی ہے، چنانچہ احادیث کی کتابوں میں خاص طور پر کتاب الفتن کا تحت کثرت سے ایسی روایتیں آئی ہیں جن میں تاکید سے ایسی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر تم دیکھو کہ حکمران بگڑ گئے ہیں تب بھی تم حکمرانوں سے ٹکراؤ نہ کرنا تم اپنی تلواروں کو توڑ دینا مگر ایسا نہ کرنا کہ حکمرانوں کو ظالم قرار دے کر ان سے لڑنے لگو یہ دراصل مذکورہ تقسیم کو آخری اور انتہائی صورت میں بھی باقی رکھنے کی تاکید ہے۔ یعنی علماء کرام کو نہ صرف عام حالات میں معلم انسانی کا فریضہ ادا کرنا ہے بلکہ اس وقت بھی انہیں اسی تعمیری کام میں لگے رہنا ہے جب کہ وہ دیکھیں کہ حکمرانوں کے اندر شدید بگاڑ آ گیا ہے، علماء کو کسی حالت میں اپنے مفوضہ کام سے نہیں ہٹنا ہے، آغاز اسلام کی اس ہدایت نے علماء امت کے لئے ان کی سرگرمیوں کا رخ متعین کردیا۔ دور اول میں بھی ہنگامی ایمرجنسی کے حالات کو مستثنیٰ کر کے جائزہ لیں تو اصحاب رسول ﷺ کی ایک جماعت جہاد کے ضمن میں مشغول رہی اور اسی کے ساتھ دوسری جماعت

مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ علمی وعوتی شعبوں میں اپنے کو وقف کئے رہے۔ اور یہی حضرات تفسیر حدیث وفقہ کی بنیاد بنے' تقریباً ایک ہزار سال تک یہ تقسیم کار کی صورت حال قائم رہی یہ لوگ قراء محدثین فقہاء' علماء' دعاۃ' صوفیاء' معلمین وغیرہ کی صورت میں ہر حال میں یکسوئی کے ساتھ اپنے اپنے مخصوص میدانوں میں سرگرم عمل رہے۔ اس تقسیم کار کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی وہ عظیم علمی ودعوتی تاریخ بنی جو آج ملت اسلامی کا انتہائی قیمتی اثاثہ ہے' اگر تمام لوگ جہاد وقتال یا سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے تو یقینی طور پر اسلام کی تاریخ میں ایک خلاء پیدا ہو جاتا جو قیامت تک کبھی دوبارہ پُر نہ ہوتا۔

علماء تاریخ میں شاید پہلی بار انگریز کی دور غلامی کے اواخر میں اس طرح اپنے دینی شعبوں میں مشغول ہوئے کہ ملت اسلامیہ کی شاکلہ کی عمومی تربیت وتعمیر کا اصل کام بڑی حد تک پس پشت چلا گیا' حتی کہ ان میں سے بعض دنیوی علوم کے حریف بن کر سامنے آئے' اب تقریباً عرصہ سے یہ حال ہے کہ یکسوئی سے اصل کام پر توجہ کے بجائے نیکی کی نمائش کی ایک ایکسر سائز ومشق زوروں پر ہے' اس کی ایک ادنی مثال یہ ہے کہ بہت سے علماء نے اپنے اوپر گویا ہر سال عمرے وحج فرض کر لیا ہے دنیا میں مسلمان خواہ جس حال میں ہوں لاکھوں غربت فاقہ بیماری جنگ سے مر رہے ہوں مگر ان پر ہر سال حج وعمرہ فرض عین ہے یہ لوگ عام مسلمانوں کیلئے دین وعبادت کو نیکی کی نمائش بنا کر بدترین نمونہ ومثال بن رہے ہیں' یاد رہے جہاد وقتال بالسیف کو فقہی اصطلاح میں حسن لغیرہ کہا گیا کہ فی نفسہ تو قتال محمود نہیں اس کی ساری افادیت اس کی وجہ سے ہے کہ شاکلہ انسانی کی تعمیر کے کام میں کبھی ناگزیر اور آخری مرحلے کے طور پر اس کی ضرورت ہو سکتی ہے ورنہ انبیاء اور ان کے وارث علماء کا اصل کام انسانوں کے فکری مزاج کی اصلاح وتعمیر ہی ہے اس بات کو سرور دو عالم ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا ہے: کما تکونون یؤمر علیکم (مشکوۃ المصابیح) جیسے تم ہو گے ویسے ہی تمہارے اوپر حاکم بنائے جائیں گے۔ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جناب مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں:

انسانی معاشرہ میں ایک ہے کونیت بشری' اور دوسری چیز امارت بشری' کونیت بشری سے مراد ہے لوگوں کی سوچ ان کی پسند ناپسند کیا ہے ان کا مزاج وفکر اور امارت بشری سے مراد کسی انسانی مجموعہ پر سیاسی حاکم ہونا خدائی ضابطہ یہ ہے کہ کونیت بشری کے اعتبار سے کوئڈ سماج جس حالت میں ہوگا اسی کے مطابق اس سماج کا سیاسی ڈھانچہ بنے گا' علماء کرام ابدی طور پر کونیت بشری کے نگران ہیں ان کا کام اور ڈیوٹی ہے ہر دور میں تکوین شعور اور شاکلہ انسانی کی تصحیح کرتے رہنا صحیح شاکلہ انسانی سے صحیح نظام حکومت برآمد ہوتا ہے اور غلط شاکلہ انسانی سے غلط نظام حکومت زندگی میں کونیت بشری کا معاملہ امارت بشری سے زیادہ اہم ہے کونیت بشری کی حیثیت کسی عمارت کی بنیاد کی ہے اور امارت بشری کی اوپری ڈھانچہ کی ظاہر بین لوگوں کو اگرچہ اوپری ڈھانچہ زیادہ اہم نظر آتا ہے مگر حقیقت بین شخص ہمیشہ بنیاد کو سب سے زیادہ

اہمیت دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ حکام کے مقابلہ میں علماء کا درجہ زیادہ ہے اور ان کا ثواب بھی زیادہ ہے۔۸۔۹

حضرات انبیاء کا مشن کو نیت بشری کی تعمیر یعنی دنیا میں صحیح شاکلہ یا صحیح شعور رکھنے والے انسان بنانا تھا' سرور کائنات ﷺ نے علماء کرام کو انبیا کا وارث قرار دے کر یہی نبوت والی ڈیوٹی ان کے حوالے کی ہے یعنی انسانی شاکلہ (مزاج وفکر) کی اصلاح وتربیت کرنا۔

یاد رہے اسلامی حکومت اس طرح قائم نہیں ہوتی کہ کوئی اسلامی شخصیت کسی طرح کرسی اقتدار پر پہنچ جائے جبکہ اس کا تعلق شاکلہ انسانی ومعاشرہ انسانی کی ذہنی وفکری نشوونما اور عملی تربیت سے ہے بنی اسرائیل کو اقتدار حوالے کرنے کا خدائی فیصلہ ہو جانے کے باوجود فرعون اور اس کی پوری فوجی طاقت کے سمندر میں غرق ہو جانے کے بعد بھی چالیس سال تک پہلے وادی تیہ کے صحرا کی خاک چھنوائی گئی کہ ابھی صحیح شاکلہ تیار نہیں ہوا تھا یا اس عرصہ میں غلامی کے دور میں نشوونما پانے والی پوری نسل مرکھپ گئی اور نئی نسل صحرا کے مجاہدانہ پُر مشقت ماحول اور آزاد فضاء میں حضرت یوشعؑ کی تربیت سے پرورش پا کر تیار ہوئی جس نے اپنے اندر قابل اعتماد سیرت واخلاق اور احکامات پر چلنے کی استعداد حاصل کر لی تب اقتدار حوالے کیا گیا جب تک ایسا انسانی معاشرہ اور اجتماعی مضبوط ٹیم نہ تیار ہو اس خلاء کو جلیل القدر نبی کی موجودگی بھی پورا نہیں کر سکتی دور نبوت میں بھی مدینہ کی ریاست اسی وقت قائم ہو سکی جب شاکلہ انسانی یعنی مزاج وفکر کی تربیت اختتام کو پہنچ گئی جب کبھی شاکلہ کی پوری تربیت وتیاری کے بغیر اقتدار حاصل ہوا بہت جلد ناکامی مقدر بنی جیسا کہ انیسویں صدی عیسوی میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ اور حال ہی میں افغانستان میں ہوا غرض مکی دور شاکلہ انسانی کی اصلاح وتعمیر کا اور مدنی دور اس کے منافع وفوائد کے کامل ظہور کا دور ہے' جب کبھی مکی دور سے گزرے بغیر یعنی شاکلہ انسانی تعمیر کے بغیر براہ راست مدنی دور چھلانگ لگانے کی کوشش کی گئی نتیجہ کے طور پر مایوسی دھزیمت سامنے آئی خلافت ارضی کا مستحق بننے کے لئے شاکلہ کی اصلاح وتربیت کے ساتھ ساتھ ہر دور کے عصری علوم اور قوت کی تحصیل بھی لازم امر ہے حضرت آدمؑ کے خلافت ارضی کا استحقاق ثابت کرتے وقت فرشتوں کے مقابلہ پر علم الاسماء (کائناتی علوم) میں ان پر فوقیت ثابت کرنے میں قرآن واضح کر رہا ہے کہ سنت الٰہی یہی رہی ہے اور رہے گی کہ زمین کا نظام انہی کے حوالے کیا جائے گا جو اس کے استعمال سے زیادہ واقف ہوں (یورثھا عبادی الصالحون) میں ایمان وتقوی کے ساتھ یہ صلاحیت بھی مقصود ومطلوب ہے پاکستان کے تجربہ نے اس کی تصدیق کر دی کہ محض خطہ زمین کا حصول کافی نہیں بلکہ ایک ایسا معاشرہ ضروری ہے جو خواہشات کے بجائے احکامات پر چلنے کا ذہن رکھتا ہو اسلام کے نام پر ایک خطہ زمین تو الگ کر لیا گیا مگر شاکلہ احکامات کے بجائے خواہشات کی اتباع کر رہا اس لئے وہاں کا حکمران وبالائی طبقہ نصف صدی سے ائمہ ضلالت (مغرب) کا آلہ کار بن کر کام کر رہا ہے۔

الغرض جب شاکلہ انسانی کی اصلاح وتربیت اور اس کا تحفظ علماء کی ڈیوٹی ٹھہری تو اس کے لئے تفقہ فی

الدین دین کی صحیح سمجھ اور لینذروا قومھم سازشوں اور خطرات سے پوری طرح باخبر رہنا قرآن نے علماء کا منصب وفریضہ بتایا تو علماء کرام کے لئے زمانہ سے پوری طرح باخبر رہنا بلکہ زمانہ کی نبضوں پر ہیتھ رکھنا فرض ہو جاتا ہے مگر گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے حالات نے اس فریضہ کی ادائیگی میں رکاوٹ کھڑی کردی ۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں شکست کے بعد علماء نے محسوس کیا کہ انگریز کے جدید اسلحہ کا مقابلہ روایتی ہتھیاروں سے نہیں ہوسکتا تو انہوں نے مزید تیاری کے لئے دیوبند گنگوہ جیسے چھوٹے قصبات میں دینی تعلیم تربیت اور اسلامی شعور ومزاج پیدا کرنے کے لئے مدارس قائم کئے برصغیر کے علماء کی اس حکمت عملی پر برطانیہ کے نومسلم دانشور جناب یحییٰ برٹ صاحب کا جو بی بی سی کے ڈائریکٹر جون برٹ کے صاحبزادے ہیں تبصرہ قابل غور ہے ان کا کہنا ہے برصغیر کے علماء کی اس حکمت عملی سے فائدہ بھی پہنچا اور نقصان بھی فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستان دوسرا اسپین بننے سے بچ گیا اور بڑی حد تک اسلامی علوم اور تہذیب و تمدن محفوظ ہوگئی اور نقصان یہ ہوا کہ علماء عصری علوم سے کٹ گئے اس ڈیڑھ سو سال میں دنیا نے جدید علوم وفنون سائنس وٹیکنالوجی میں جو ترقیات کی ہیں ان سے بے بہرہ رہ گئے اب ہمارے سامنے اصل مسئلہ اور چیلنج یہ ہے کہ اس نقصان کی تلافی کیسے ہو حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی ہزیمت کے بعد یہ کام بہت ضروری تھا کہ دینی علوم وتمدن کو محفوظ کیا جائے جو بحمد للہ دینی مدارس ومکاتب اور خانقاہوں کے ذریعہ پورا ہوا مگر یہ محض وقتی اور دفاعی مرحلہ ومورچہ تھا اگلا قدم دنیا پر شاکلہ ہدایت کو غالب کرنے اور انسانیت کی آسمانی تعلیمات کی طرف واپسی کے لئے نہ صرف زمانہ سے پوری طرح باخبری بلکہ کائناتی علوم فنون کے سرچشموں پر کامل دسترس وکنٹرول ضروری ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ علماء کرام تعلیم کی دوئی کی لعنت جو دور غلامی کی دین ہے ختم کر کے تشریعی وتکوینی علوم کو ازمنہ سابقہ کے طرز پر یکجا کریں' کیونکہ سب سے زیادہ نقصان کائناتی علوم اور معاصر دنیا کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پہنچ رہا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو موجودہ دور میں ملت اسلامی کے خسران وتباہی کی ایک بنیادی وجہ علماء کرام کا عصر حاضر سے بے خبر رہ جانا بھی ہے اس کی چند واضح مثالیں ملاحظہ ہوں

(۱) برصغیر کی آزادی کیلئے سب سے زیادہ قربانی علماء نے دی مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ آنے والا دور بادشاہت کے بجائے جمہوریت کا ہے اقبال کے الفاظ میں بندوں کو تولنے کے بجائے گننے کا ہے اور تعداد میں غیر مسلم بھاری کثرت میں ہونے کی وجہ آزادی کا نتیجہ انگریز سے بدتر متعصب ہندو کی غلامی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ گزشتہ ہزار سال سے دنیا میں ہندو کسی شمار وقطار میں نہیں تھا' مگر برصغیر کے مسلمانوں کو تعلیمی وتنظیمی طور پر تیار کئے بغیر برہمن کو آزادی حاصل کر کے دینے کے نتیجہ میں آج متعصب برہمن نہ صرف برصغیر کی ملت اسلامیہ کا بلکہ پورے عالم میں اسلام ومسلمانوں کا دشمن بن کر سامنے آیا اب اسرائیل وامریکہ سے مل کر پوری دنیا میں ہر جگہ اسلام کو تباہ وبرباد کرنے میں مصروف ہے۔

(۲) جب پانچ سو علماء نے انگریزی فوج میں ملازمت کے حرام ہونے کا فتوی صادر کیا اس وقت طبقہ علماء میں صرف مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی آواز اٹھی اور فرمایا جس قدر مسلمان فوج میں جاسکتے ہیں داخل ہو جائیں اگر آنے والے دور میں ہمارے پاس مناسب فوجی قوت ہی نہ ہوگی تو رہے سہے حقوق بھی تنگ نظر ہندو ہضم کر جائے گا۔

(۳) ملک شام میں علماء اس قسم کی غلطی کی وجہ سے فوج میں نصیری و علوی بھر گئے اور ۹۴٪ اہل سنت عملاً محکوم و غلام بن کر رہ گئے۔

(۴) اسی قسم کی غلطی لبنان میں اہل علم سے ہوئی جب فرانس نے وہاں ۱۹۳۲ء میں مردم شماری کروائی جس پر قومی دستور، عہدوں، اختیارات اور پارلیمنٹ کی نشستوں کی تقسیم انجام پانے والی تھی یہ سمجھ کر مردم شماری کا بائیکاٹ کیا کہ ہمیں مردم شماری کے حساب سے فوج میں بھرتی نہ دینی پڑے اس مردم شماری کی رو سے دستور بنا جس میں ملک کا صدر ہمیشہ عیسائیت ہونا طے پایا جس کے ہاتھ میں وزیر اعظم کو برخاست کرنے پارلیمنٹ توڑنے سمیت تمام اختیارات ہیں اور وزیر اعظم مسلمان جو محض کٹھ پتلی ہے دستور میں ۶۸٪ عیسائی اور ۳۲٪ مسلمان جبکہ فی الحقیقت معاملہ برعکس ہے یعنی مسلمان ۶۸٪ ہیں۔ غرض گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے زمانہ اور عصری علوم سے بے خبر رہنے کی حکمت عملی نے دنیا بھر میں علماء کرام کے مقام و حقیقت اور ملت اسلامیہ کو بے انتہاء نقصان پہنچایا۔

وقت کا تقاضا ہے کہ علماء کرام اب اس مسئلہ پر سنجیدگی سے توجہ دیں خوش قسمتی سے برصغیر میں دینی مدارس کا ایک جال بچھ گیا ہے ہمارے پاس یہ ایک بیش قیمت اور قابل قدر نیٹ ورک بنا بنایا موجود ہے جو شاید دنیا میں کسی قوم کے پاس نہیں ضرورت صرف اس عزم کی ہے کہ مطلوبہ صلاحیت کے افراد پیدا کرنے کے لئے نصاب و نظام تعلیم کو صحیح معیار پر استوار کریں اور نظام تعلیم میں مثبت انقلابی تبدیلی لائیں یہ وقت کی پکار اور علماء کے لئے آج کا سب سے بڑا چیلنج ہے جس سے احسن طریقہ پر نبرد آزما ہوئے بغیر ملت اسلامیہ کی سربلندی اور قائدانہ رول کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

بدقسمتی سے ہم نے حضرات صحابہ کرامؓ کی تصویر تارک الدنیا رہبان و زہاد کی پیش کی ہے کہ وہ بس دن رات نماز و عبادات میں رہتے ہمیں معلوم ہی نہیں نبی اکرم ﷺ کی اس تربیت یافتہ مقدس جماعت نے دنیا کو علوم و فنون قانون نظم و نسق و تنظیم میں کس حیرت ناک حد تک مالا مال کیا دور خلفاء راشدین میں انسانوں کی بہتری و بھلائی کے لئے کس قدر فلاحی اداروں کو وجود بخشا اور معاشرہ کے بدحال و پسے ہوئے طبقات غلاموں، غریبوں معذوروں بیوہ عورتوں یتیموں کی ضروریات و بہبودی کے لئے کس قدر شعبے قائم کئے گئے صحابہ کرامؓ کوفہ بصرہ جیسے کتنے نئے شہر آباد کئے کتنی شاہراہیں و سڑکیں تعمیر کیں اسی طرح نظم و نسق، عدالتی و قانونی نظام فوج و پولیس کے نظام میں کتنی ایجادات و ترقیات کیں اگر حضرت عمرؓ کی اولیات ہی پر سرسری نظم ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ موجودہ دور کی جدید دنیا خصوصاً مغرب کی

فاحی ریاست کے تصور کی اولین اور کامل بنیاد وہیں ملے گی آج انسانیت کی بہبودی کے لئے اسلام کے اجتماعی اوصاف غیروں نے اپنا لئے اور ہم نے محض عبادات کے شعبہ کا نام اسلام رکھ دیا ایک ایرانی شاعر نے ہماری بے عملی کی کیا خوب تصویر کشی ہے، وہ کہتا ہے کہ

اے فرنگی ما مسلما نیم جنت مال ماست
درقناعت حور و غلمان ناز و نعمت مال ماست
اے فرنگی اتفاق علم و صنعت مال تو
عدل و قانون ومساوات و عدالت مال تو
شغل عالمگیری و جنگ و جلالت مال تو

یعنی اے فرنگی (مغربی شخص) ہم خواہ عمل و جہد کریں نہ کریں جنت اور اس کی تمام نعمتیں حور وغلمان ناز نعمت ہمارا مال (حق) و جاگیر ہے اتفاق و اتحاد، علم وصنعت، عدل و قانون مساوات و عدالت و انصاف دنیا کو فتح وکنٹرول کرنے کی جدوجہد اور سربلندی وعزت تیرا مال وحق ہے

اس وقت ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم حقیقت دین سے دور ہو کر مظاہر دین (چند عبادات واعمال حسنہ) میں مشغول ہیں قرآن کریم اور حضرات انبیاؑ کی سیرت کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین فی الحقیقت تین امور کا نام ہے

(۱) ایک یہ کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے (رب وخالق) کو پہچانے اس سے تعلق محبت اور قربت پیدا کرے

(۲) دوسرے یہ کہ آخرت کی فکر پیدا ہو یعنی زندگی کا ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھے اس سے میری آخرت بنے گی یا بگڑے گی۔

(۳) وحی الٰہی کی مکمل اتباع یعنی اپنی زندگی کی ترتیب عقل وخواہشات کے بجائے وحی الٰہی کی اتباع ورہنمائی سے طے کرے یہ ہے دین کی حقیقت، باقی تمام اعمال وعبادات نہایت ضروری وفرض ہونے کے باوجود دین کے مظاہر ہیں دین کی حقیقت حاصل ہے یا نہیں اس کے ناپنے کا پیمانہ وتھرمامیٹر یہ ہے کہ دین کے تمام مظاہر میں مشغولیت کے بعد اگر تینوں امور (خدا کا تعلق، آخرت کی فکر اور وحی کی اتباع) میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے تو دین کی حقیقت حاصل ہے اگر ان تینوں سے غفلت یا بے فکری کی کیفیت ہے تو حقیقت دین سے دور ہے مثلاً قرآن نے فرد وقوم کی دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی کا نسخہ اکسیر ایک معجزانہ جملہ میں ادا کر دیا قد افلح میں تزکی یعنی کامران وکامیاب وہ ہے جو ہر عمل وکام اپنی خواہش مفادات اغراض سے بالاتر ہو کر محض اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے انجام دے ہم دیکھتے ہیں اس دور میں کافر اقوام قرآن کی اس تعلیم کے ایک جزء (دنیوی) کاموں کو ذاتی وشخصی مفادات بجائے قومی وملکی مفادات

کے لئے کرنے سے دنیوی طور پر سربلند و کامران ہیں اور ہم قرآن کی واضح و کھلی تعلیم پر عمل کرنے کے بجائے تزکیہ کے نام سے امم سابقہ کے رہبان و زہاد کی طرح ذکر و فکر کی عجمی مشقوں میں مشغول ہیں اور ان عجمی مشقوں کا نام ہم نے تزکیہ رکھ چھوڑا ہے آسمانی مذاہب اور اقوام عالم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ حرکت و عمل (دعوت و جہاد) کے بجائے انسانی ایجاد کردہ ذکر و فکر کے طریقوں میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اس وقت ہماری نئی نسل کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کھلی آنکھوں کارگاہ حیات میں کافر اقوام کا جہد و عمل حرکت و غلبہ دیکھتا ہے مگر جب اہل دین کے وعظ سنتا ہے جو زمانہ کے تقاضوں سے بے بہرہ رہ کر بعض جزوی اعمال کے فضائل میں غرق رہ کر عمل کے بجائے جمود کی تعلیم دے رہے ہیں کہ اتنی بار ان کلمات کو پڑھنے ہی سے سب کچھ ہو جائے گا صحابہ کرامؓ کی طرح جہد مسلسل اور جان کھپانے کی ضرورت نہیں تو وہ سوچنے لگتا ہے یہ مخلوق مریخ جیسے کسی ستارے سے ابھی ابھی وارد ہوئی ہے اسے ابھی اس سرزمین کے مسائل کی ہوا نہیں لگی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں غلبہ و سربلندی کا ضابطہ مسلم و کافر سب کے لئے یکساں رکھا ہے دنیا کو دارالاسباب قرار دیا اور اسباب سب کو برابر فائدہ پہنچائیں گے اسباب سے غفلت و کوتاہی کا نقصان بھی مسلم و کافر سب کو یکساں پہنچے گا اس لئے دین کے تمام ارکان و اعمال کی اتباع کے ساتھ ساتھ دنیا میں کائناتی علوم میں اپنی پسماندگی دور کرنی ہوگی ہاں ایک مختصر راستہ (شارٹ کٹ) بھی ہے وہ یہ کہ جو اقوام کائناتی علوم اور دنیوی ترقیات میں بہت آگے نکل گئی ہیں دردمندی و دلسوزی کے ساتھ انہیں اسلام کی دعوت پہنچائی جائے صحابہ کرامؓ یہی شارٹ کٹ کر کے اقوام عالم کے محسن و سربراہ بن گئے مگر دعوت کے اس عمل کے لئے بھی پہلے صحابہ کرامؓ کے اوصاف پیدا کرنا ضروری ہے صحابہ کرامؓ کے اوصاف میں تین باتیں بنیادی اور اصل ہیں وہ یہ ہیں ابر الناس قلوبا اعمق الناس علما اقل الناس تکلفا دل کے نہایت نیک و پاکیزہ علم میں نہایت وسعت و گہرائی والے تکلفات سے بری یعنی دل سے ساری انسانیت کے بہی خواہ حقیقت علم (تشریعی و تکوینی) کے متلاشی اور دنیوی لذات و خواہشات کے بجائے احکامات پر چل کر سادگی و جفاکشی والی زندگی رکھنے والے۔

قرآن نے انسان کو اس قدر رفعت و بلندی عطا کی تھی کہ وہ ہر قسم یک نسلی، قومی ملکی تعصبات و تنگنائیوں سے بالاتر ہو کر پوری انسانیت کی بھلائی و بہبودی کی سوچ رکھتا ہو مغرب کی طرح صرف سفید چمڑی، یورپین نسل یا امریکی نیشن (قوم) کے غلبہ و تسلط کے بجائے ساری اولاد آدم اور نسل انسانی کی دنیا و آخرت کی فوز و کامرانی کے لئے کوشاں ہو۔ بقول علامہ اقبال ؎

فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مؤمن
قدم اٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں